مُترجم
پروفیسر وائی ایس طاہر علی

ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کی کتاب

الموسوم بہ

فارسی شاعری کے ارتقاء میں عربی شاعری کا ہاتھ

(باب اول)

دیباچہ

اسلام کی پہلی دو صدیوں میں فارسی شاعری کی تاریخ بالکل کوری ہے۔ ان دو صدیوں میں عربی زبان کا بول بالا رہا۔ سیاست، مذہب اور فنونِ لطیفہ کے لیے عربی زبان ہی مستعمل ہوتی رہی۔ اور ایران کے ادیبوں اور شاعروں نے اسے اپنی دیسی زبان پر ترجیح دی۔ ہم نے مانا کہ عہدِ بنی عباس میں ایران کے مصنفین نے تاریخ نویسی میں اور صرف و نحو کی کتابیں لکھنے میں برابر دلچسپی لی۔ لیکن وہ اپنے قدیم شعر و سخن کی بچی کھچی یادگار پر توجہ دینے سے قاصر رہے۔ ایران کی قدیم تاریخ اور ثقافت پر بے شک کام ہوا لیکن وہ بھی عربی میں ہوا۔ وجہ صاف تھی۔ فارسی زبان یا تو ادبی معیار پر کامل نہیں اترتی تھی یا یہ کہ عام رواج ہو چکا تھا کہ جو کچھ لکھا جائے سب عربی میں ہو۔ ایرانیوں کی اس سہل انگاری اور غفلت کی وجہ سے قدیم شعراء کے دواوین طاقِ نسیاں ہو گئے اور کتنے ہی مقامی شعراء اپنے کلام کی داد حاصل کیے بغیر گوشۂ گمنامی میں دفن ہوئے۔ فنکاروں کا بھی یہی حال ہوا۔ انھوں نے اپنے گلنے بجانے کے آلات آنے والی نسل کے لیے اپنے پیچھے چھوڑے اور خود اس جہانِ فانی سے چپ چاپ چل بسے۔ نتیجۃً اسلام سے قبل عہدِ ساسانی کی دو صدیاں اور اسلام کے بعد والی دو صدیاں

قدیم شعروسخن سے خالی نظر آتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سب عربوں کی تگ وتاز کی نذر ہوگئے ہوں یا خود ایرانیوں ہی کی غفلت کا شکار ہوئے ہوں۔ بہرحال ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کی آمد سے پہلے ایران میں شعروسخن کا پرچا تھا[1]۔ ملک میں گویّوں اور نے نوازوں کی کمی نہ تھی۔ ہم اس ضمن میں باربد، بامشاد اور رکتی اور موسیقاروں کے نام پیش کرسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ سخن سنجی اور نے نوازی نے یہاں بھی چولی دامن والا ساتھ نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایرانی شاعری کس قسم کی تھی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ افسانوی ہو یا رزمیہ[2]۔ اس کے برعکس فخرالدین اسد گرگانی جس نے ویس ورامین[3] کے قصہ کو پہلوی زبان سے بحر اور قافیہ کے بغیر منظوم کیا ہے، نہایت جرأت مندی سے کہتا ہے کہ قدیم ایرانیوں میں شعروسخن جیسی کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن یہ امر حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ دراصل مسلمان

---

[1] ابوہلال العسکری (المتوفی ۳۹۵ھ) کا کہنا ہے کہ قدیم ایرانیوں میں شعروسخن کا چرچا اتنا زبردست تھا کہ کتابوں میں اس کا احاطہ کرنا مشکل تھا۔ اسی مصنف نے کہا ہے کہ اہلِ ایران اشعار میں تاریخ لکھا کرتے تھے اور اپنی رزموں کی داستان بھی اشعار میں کہا کرتے تھے۔ اور یہ سب چیزیں شاہی کتب خانوں میں موجود تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی زبان میں اختلاط شروع ہوا اور شاعری بھی زوال پذیر ہوئی۔ نتیجۃً انھوں نے عربی میں اشعار لکھنا یا کہنا شروع کیا۔ (تفصیل صفحہ ۲۱۷ التحفۃ البہیۃ)

[2] جیکسن: قدیم فارسی شاعری، صفحہ ۲

[3] ویس ورامین: تصحیح وتہذیب از کیپٹین لیز صفحہ ۱۱۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ یہی رائے مشہور ادیب الجاحظ (۱۶۰ھ تا ۲۵۵ھ) کی ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

"ہر قوم ماپنے ماضی کی یادگاروں کو تاریخی روایات کے طور پر کسی نہ کسی طرح محفوظ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ عربوں نے یہ کام شاعری سے لیا جو عجوبۂ روزگار ہے۔ ایرانیوں نے اصطخر اور مدائن جیسے یادگار شہر بسائے، شاندار قلعے، پل اور گنبد تعمیر کیے، عربوں نے بھی نعمان، قصر مارب، ابلق وغیرہ ایرانیوں کی ہمسری میں تعمیر کیے لیکن شعروسخن میں انھوں نے اپنی انفرادی حیثیت برقرار رکھی۔" (کتاب الحیوان جلد اصفحہ ۳۶)

مصنفین نے ایرانی شاعری کو تسلیم کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ وہ خلیل بن احمد کے وضع کردہ قوانین پر صحیح نہیں اترتی تھی۔ اسی وجہ سے عوفی اور شمس قیس دونوں کی متفقہ رائے ہے کہ باربد والے خسروانی گیت وزن اور قافیہ سے بالکل معرّیٰ تھے۔ ان میں کوئی اور ادبی خوبی بھی نہ تھی سوائے اس کے کہ ان میں اپنے فرماں رواؤں کی تعریفیں تھیں۔ ایک اور خیال کے مطابق ایرانی اپنی قدیم شاعری میں مثل یونانیوں کے قافیہ نہیں لاتے تھے۔ اس قسم کی آزاد نظم کو کتابی شکل میں حسونی (یا حشونی) نے جمع کر رکھا ہے۔ اور اس کا نام "یوبہ نامہ" (کتاب آرزو) ہے۔[۱] آخرالذکر شہادت ہمیں ڈاکٹر پال ہارن سے متفق ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایرانیوں کی قدیم نظموں میں وزن اور بحر ضرور ہوتے تھے لیکن قافیہ نہیں ہوتا تھا۔ لوک گیتوں سے بھی اس نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ ان میں ساز کا دارومدار مقدار پر نہیں ہوتا بلکہ اوستا کی نظموں کی مانند ارکان لفظ پر ہوتا ہے۔ بہرکیف ہماری رائے تو یہ ہے کہ قدیم دوبیتی میں بحر اور قافیہ دونوں ہوا کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت کی بحر رجز سے وہ بہت کچھ ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں۔ تائید میں ہم کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں:-

---

[۱] معیار الاشعار۔ مخطوطات لیڈن: کوڈیکس ۶۸۳ (۲)، وارن صفحہ ۶۵ نیز برٹش میوزیم ۱۶۷۰ صفحہ ۴ (ب)

مفتی محمد سعد اللہ رام پوری نے اس کو نصیر الدین طوسی کی تصنیف بتایا ہے۔ اُنھوں نے اس کی شرح بھی لکھی ہے، الموسوم بہ "میزان الافکار" (لکھنؤ ۱۲۶۲ھ)۔ اِس نظریے سے العسکری بھی اتفاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

"فارسی میں چند دُھنیں ایسی ہیں کہ وہ شعر کے مانند بولی جاتی ہیں، ان دُھنوں میں نثر کی مانند الفاظ ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو لمبایا جاتا ہے اور بحر کی سی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔"

تاریخ سیستان کے مؤلف کا بیان ہے کہ جب کیخسرو کرکویہ کے اضلاع میں دیووں کو مسخر کر رہا تھا[۱]، اس نے وہاں نورانی تجلی دیکھی اور اس تجلی کی یادگار قائم رکھنے کے لیے اس نے کرکویہ میں ایک آتش کدہ تعمیر کیا تھا۔ یہاں زردشتی پجاری نغمے گایا کرتے تھے[۲]، جس کے کئی بند ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک بند درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ؎

فرخت بادا روش ، خنیدن گرشاسپ ہوش
ہمی پرست از جوش ، نوشش کن مئی نوش
دوست بدا گوش ، بآفرین نہادہ گوش
ہمیشہ نیکی کوش ، دی گزشت و دوش

شاہا خدایگانا ، بآفرین شاہی

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عہد ساسانی میں اور ہجرت کی پہلی دو صدیوں میں ایران کی شاعری اسی سادہ طرز کی ہوا کرتی تھی۔

۱؎ یہ انکشاف ہمیں طہران کے مرزا عباس آشتیانی کے مضمون سے ہوا جو "کاوہ" کے نمبر ۲ میں اور جدید سلسلہ کی جلد دوم میں شائع ہوا ہے۔ "تاریخ سیستان" کے مؤلف کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ مغلوں کی طوائف الملوکی کے زمانہ کا ایک شخص ہے جو ملک نصیر الدین والحق اور اس کے دونوں بیٹوں ملک معظم رکن الدین محمود اور شاہ معظم نصرت الدین کے (جو سیستان کے والی تھے) دامن عاطفت کا پروردہ تھا۔ اس کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ مذکور ۶۶۵ھ اور ۶۸۰ھ کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب سے خاندان صفاریہ اور ایران کی شعر و شاعری کے بارے میں نہایت مفید باتیں حاصل ہوتی ہے۔ مرزا قزوینی کو رودکی کی اس غزل کا جو "مادر مے" سے شروع ہوتی ہے، اسی کتاب سے سراغ ملا تھا۔ ملاحظہ ہو، مجلہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی، اپریل ۱۹۲۶ء، صفحات ۲۱۵، ۲۱۶ -

۲؎ ملاحظہ ہو LANDS OF EASTERN CALIPHATE صفحات ۳۴۱ اور ۳۴۲ -

یزید بن مفرغ الحمیری[۵۱] کے حسب ذیل مصرعوں سے ہمیں مزید ثبوت مہیا ہوتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ رجز جیسے اشعار ہوا کرتے تھے۔ یزید بن مفرغ نے ان مصرعوں میں عبیداللہ بن زیاد کی دادی سُمیّہ پر بھرپور طنز کیا ہے، جب بصرہ شہر کے بازاروں میں عبیداللہ نے شاعر مذکور کا جلوس نکالا تھا ؎

آب است و نبیذ است عصارات زبیب است
"سمیہ" روئے سفید است

ہمارے خیال کی مزید تائید ذیل کے اشعار سے بھی ہوتی ہے، جن کو اہلِ بلخ نے اسد بن عبداللہ کے خلاف نفرت کی وجہ سے گایا تھا، جب خاقان[۵۲] نے ۱۱۹ھ میں اسد بن عبداللہ کو عارضی طور پر شکست دی تھی ؎

از ختلان آمدی برو تباہ آمدی
آبارہ باز آمدی خشک و نزار آمدی

(مطلب :- تو ختل سے چلا، تجھ پر ویرانی چھائی ہوئی تھی، تو بے خانماں آیا، تو زار و نزار آیا۔)

مذکورہ مثالیں بحر رجز کی ہیں اور یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ قدیم شاعری میں اجزاءِ ترکیبی یعنی بحر، وزن اور قافیہ ہوا کرتے تھے۔ پھر جوں جوں ایرانی شعراء عربی کے بحور و اوزان سے شناسا ہوتے گئے وہ دُوسری پیچیدہ بحروں میں بھی اشعار کہنے لگے۔

---

[۵۱] یزید بن مفرغ الحمیری معاویہ اوّل (۶۶۱ء تا ۶۸۰ء) کے عہد میں تھا۔ اس کا انتقال ۶۶ھ مطابق ۶۸۸ء میں ہوا عبیداللہ نے اس ہجو پر اس کو سجستان جلا وطن کیا تھا جہاں وہ قید میں رکھا گیا۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن قتیبہ صفحات ۲۰۹ تا ۲۱۳۔ میں نے ان اشعار کو نیز ان اشعار کو جو الطبری سے مروی ہیں نہایت تفحص سے نکالا تھا ۱۹۳۱ء میں فورٹ پرنٹنگ پریس والے مسٹر ہوشنگ انکلیسریا نے مجھے بیست مقالہ قزوینی کا ایک نسخہ "تحفۃً" دیا، اسے دیکھ کر معلوم ہوا کہ علامہ قزوینی نے ان اشعار کو فارسی کے قدیم ترین اشعار جو بعد از اسلام لکھے گئے ہیں بتایا ہے۔ دیکھیے صفحات ۲۶ تا ۳۶۔ — [۵۲] طبری جلد دوم صفحات ۱۶۰۲ اور ۱۶۰۳

عام طور سے مشہور ہے کہ بہرام گور نے فارسی میں سب سے پہلے شعر کہا[۱] بخارا میں عوفی نے اس کے دیوان کا مطالعہ کیا تھا[۲] مسعودی کی روایت کے مطابق بہرام گور عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اگرچہ اختصار کو مدِنظر رکھ کر مسعودی نے اس کے اشعار بیان نہیں کیے[۳] اگر اس کے اشعار نقل کیے جاتے تو ہمیں اس زمانے کی شاعری کی نوعیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی۔ لیکن مسعودی یا کوئی اور مؤرخ اس بارے میں ہمارے لیے درخورِ اعتنا نہیں ہے۔ بہرکیف اوستا (جو ایک پیغمبر کی وجدانی گفتار ہے نہ کہ شاعری) کی شاعرانہ عبارتوں کے سوا شاید ہی کوئی قدیم شعر ہمیں مل سکا ہے۔

زیادہ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس ہجرت کی پہلی دو صدیوں کی شاعری

۱؎ ثعالبی: غُرر (تصحیح زوٹن برگ صفحہ ۵۵۰) اس نے بھی ابن خرداذبہ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن جو اشعار المسالک والممالک (لیڈن صفحہ ۱۱۸) میں ہیں مثلاً ؎

منم شیر شلنبہ　　　　منم ببر تلہ

تو وہ سب رجز کی بحر میں ہیں اور ایک خوش مزاج بادشاہ کے احساسات کے وفور کی عکاسی کرتے ہیں۔ بہرام گور کے اس موقعہ کی داستان جب اس نے یہ اشعار کہے تھے، دولت شاہ نے بیان کی ہے مگر عوفی نے یا شمس قیس نے یا نظامی عروضی نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ البتہ ابن الفقیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی عربی کے اشعار جو اس موقع پر بہرام گور نے کہے تھے نقل کیے ہیں۔ (کتاب البلدان تصحیح دی خویہ، لیڈن ۱۸۸۷ صفحات ۲۵۶ اور ۲۵۷) اس کے برعکس ثعالبی نے (غُرر صفحہ ۵۴۲) ہرن کے شکار کرنے میں بہرام کی مہارت کی بالکل مختلف داستان بیان کی ہے۔ اس شکار میں اس کی محبوب نے نواز آزاد دار اپنے بھاری مطالبات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ بے شک بہرام گور کبھی کبھار شعر و شاعری ضرور کرتا ہوگا مگر جو اشعار کہ اس سے منسوب کیے جاتے ہیں دراصل اس کے نہیں ہیں۔ ہمیں تو ابن خرداذبہ کی روایت زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ ۲؎ لباب جلد ۱ صفحہ ۱۹ ۳؎ مروج جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ ولہ اشعار کثیرۃ بالعربیۃ والفارسیۃ اعرضنا عن ذکرھا فی ھذا الموضع طلبا للاختصار والایجاز۔

کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ اس کے لیے ناسازگار حالات اور سرپرستی کا فقدان، بہت کچھ جوابدہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن قدیم ایرانی شاعری کے فقدان کے کئی اور وجوہات بھی ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ان میں راویوں کی جماعت ناپید تھی جو قدیم گیتوں کو حفظ کر کے آئندہ نسلوں تک انھیں پہنچا سکتی تھی۔

اس مرحلے پر ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم اس بحث طلب مسئلے پر گفتگو کریں کہ فارسی میں سب سے پہلا شعر کس نے کہا۔ بلکہ ہم کو تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان قابلِ ذکر شعراء کے ساتھ ساتھ کئی اور شعراء بھی تھے جن کے نام تک ہمیں معلوم نہ ہو سکے اور یہ بھی بتانا ہے کہ حنظلہ (المتوفی ۲۲۰ھ) ہی صرف ایک شخص نہیں ہے جو بقول تذکرہ نویس بنو طاہر (۲۰۵ھ تا ۲۵۹ھ) کے دامنِ عاطفت میں پرورش پا رہا تھا بلکہ کئی اور بھی تھے[1]

حد تو یہ ہے کہ ہمارے تذکرہ نویسوں اور دواوین کو جمع کرنے والے ادیبوں نے اُن شعراء کا ذکر تک نہیں کیا، جنھوں نے یعقوب بن لیث (۲۵۴ھ تا ۲۶۵ھ) کا خیر مقدم کیا تھا جب کہ وہ سیستان پر اپنا قبضہ جما چکا تھا۔ ان میں سے ایک شخص خاص طور پر

---

[1] ایسا ہی ایک اور شاعر ہے جس کا نام محمد بن البعیث (المتوفی ۲۳۵ھ) ہے۔ مراغہ کے چند عمر لوگوں نے اس کے اشعار طبری کو سنائے تھے۔ (طبری جلد سوم صفحہ ۱۴۲۰) چند اور قدیم اشعار جو اب ناپید ہیں ابو الاشعث القمی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ (یاقوت: معجم الادبا، لیڈن صفحہ ۴۱۱) ان اشعار کی طرف ابو مسلم محمد بن بحر اصفہانی نے اپنی ایک عربی نظم میں اشارہ کیا ہے۔

ابو حفص حکیم بن احوص تیسری صدی ہجری کا ایک شاعر ہے اس کی طرف ذیل کا شعر منسوب کیا جاتا ہے ؎

آہوئے کوہی در دشت چگونہ دودا ‌ ‌ ‌ او ندارد یار بی یار چگونہ رودا

مطلب: ہرنی جنگل میں کیسے گھوم سکتی ہے، اس کے ساتھ نر نہیں ہے بغیر نر کے کدھر لیے چوکڑی بھرے گی۔ (المعجم صفحات ۱۷۰ و ۱۰۱۔ مفاتیح العلوم از خوارزمی، تصحیح فان ولوٹن صفحہ ۲۳۷)

ابو حفص نے موسیقی کا ایک آلہ بنام شاہ رود ایجاد کیا تھا لیکن وہ سب سے پہلا شاعر نہیں ہو سکتا۔

قابلِ ذکر ہے اور وہ محمد بن وصیف السجزی ہے جو یعقوب کا میر منشی تھا[۱]

---

[۱] ذیل کی باتیں تاریخ سیستان سے لی گئی ہیں، ان کے لیے میں مرزا عباس اقبال آشتیانی کا بے حد ممنون ہوں - انھوں نے "کاوہ" (سلسلہ نو ۱۹۲۱) نمبر ۲ میں اپنا مضمون شائع کیا تھا -

محمد بن وصیف السجزی نے لمبی عمر پائی تھی اور اس نے صفاریوں کا عروج اور زوال دیکھا تھا ۲۸۷ھ میں اسماعیل سامانی نے یعقوب بن اللیث پر غلبہ پایا اور اُسے سمرقند میں گرفتار رکھا تو ابن الوصیف نے ذیل کے اشعار اس کی تسکین کے لیے لکھ بھیجے ؎

کوشش بندہ سبب رنجش است — کار قضا بود ترا عیب نیست
بُود و نبود از صفت ایزد است — بندۂ درماندۂ بی چارہ کیست
اول مخلوق چو باشد زوال — کار جہان اوّل و آخر بکیست
قول خداوند بخوان فاستقم — معتقدی شو و بر آن بر بایست

ذیل کے قطعہ میں وہ صفاریوں کی تباہی پر گریہ کناں ہے، آخری دو شعروں میں امیر طاہر بن محمد بن عمرو بن اللیث کی طرف اشارہ ہے جس نے اپنی عمر اور دولت عیاشی میں برباد کردی تھی اور جس نے سیستان کے عربوں کے سرخیل ایاس بن عبداللہ کی باتوں پہ کان نہ دھرا تھا - ایاس صفاریوں کا وفادار ملازم تھا - اس نے طاہر کو اس کی بداعمالیوں سے روکنے کی بہت کوشش کی - اُس نے اس سے کہا :

"یہ سلطنت تلوار کے زور سے قائم ہوئی ہے، تو اُسے لہو و لعب میں کھو بیٹھے گا سلطنت اور عیاشی دو متضاد چیزیں ہیں - بادشاہ کو عادل، دین دار، سیاست داں، فصیح، چابک دست اور شمشیر زن ہونا چاہیے۔"

امیر مذکور نے اس پر کچھ دھیان نہ دیا اور ایاس کو چلے جانے کا حکم دیا -

مملکتی بود شدہ بی قیاس — عمرو بران ملک شدہ بود راس
از حد ہند یا بحد چین و ترک، — از حد زنگ تا بحد روم و کاس
راس، ذنب گشت و بشد مملکت — زرّ زرد شد از نحوست نحاس

(مسلسل بر صفحہ آئندہ)

تاریخ سیستان کے مؤلف کا بیان ہے کہ امیر یعقوب نے اپنے دشمنوں پر غلبہ پالیا اور ۲۵۳ھ میں ہرات کو طاہریوں کے گورنر کے قبضہ سے نکالا، پھر اس نے طاہری خاندان کے فرماں روا محمد (۲۴۸ھ تا ۲۵۹ھ) کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اسے سیستان، کابل، کرمان اور فارس کا والی تسلیم کرے۔ ازاں بعد وہ دارالحکومت سیستان میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوا لوگوں نے اس کی آمد پر بڑی خوشیاں منائیں اور ان کے بڑے مذہبی پیشوا ابواحمد عثمان بن عفان (المتوفی ۲۸۵ھ) نے جمعہ کے خطبہ میں امیر یعقوب کا نام لیا۔ شاعروں نے اس تقریب میں عربی قصائد پڑھے۔ چونکہ یعقوب عربی سے بے بہرہ تھا لہٰذا وہ کہہ اٹھا کہ "تم لوگ ایسی بات

(از صفحہ گزشتہ)

دولت یعقوب دریغا برفت — ماند عقوبت بعقب بر خواس
عمر عمرو رفت و زر باز ماند — مذہب روباہ بلنس و تواس
ای چہ غما آمد و شادی گزشت — بود ولم دائم ازین پر ہراس
ہرچہ بکردیم بخواہیم دید — سود ندارد ز قضا احتراس
ناس شدند نسناس آنگاہ ہمہ — وز ہمہ نسناس بگشتند ناس
دور فلک گردان چو آسیا — لاجرم این اُسّ ہمہ کرد آس
ملک ابا ہزل نکرد انتساب — نور ز ظلمت نکند اقتباس
جہد و جد یعقوب باید ہمی — تاکہ ز جدہ پدر آید ایاس

ابن وصیف اور بسام کے علاوہ ایک اور فاضل تھا جس کا نام محمد بن مخلد السجزی ہے اور اس نے بھی اس واقعہ کے بعد فارسی میں شعر کہنا شروع کیا۔ ذیل میں دیئے ہوئے تین اشعار میں وہ یعقوب سے مخاطب ہے ؎

جز تو نزاد حوّا و آدم نکشت — شیر نہادی بدل و بر منشت
معجز پیغمبر مکّی توئی — بکنش و منش و بگوشت
فخر کند عمّار روزی بزرگ — کی ہمانم من کہ یعقوب کشت

کیوں کہتے ہو جسے میں نہیں سمجھ سکتا۔" محمد بن وصیف اس وقت موجود تھا۔ یہ سنتے ہی اس نے ذیل کے اشعار فارسی زبان[1] میں پڑھنے شروع کیے، کیونکہ وہ اپنے وقت کا بڑا عالم مانا جاتا تھا۔

اے امیری کہ امیران جہان خاص و عام
بندہ و چاکر و مولای و سگ بند و غلام

اے امیر! تیرے سامنے دنیا کے سارے چھوٹے بڑے امراء خدمت گزار، غلام اور کتوں کے رکھوالے معلوم ہوتے ہیں۔

ازلی خطی در لوح کہ ملکی بدہید
بی ابی یوسف یعقوب بن اللیث ہمام

ازل سے لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ "ابو یوسف یعقوب بن اللیث کو بادشاہی دو۔"

---

[1] اوزان کی بے ترتیبی اور بندش کی کمزوری دلالت کرتے ہیں کہ زیر غور قطعہ قدیم ہے۔ اور یہ ابن وصیف کی ابتدائی کوشش کا نتیجہ ہے۔

صاحب تاریخ سیستان کا بیان ہے کہ ابن وصیف پہلا شخص تھا جس نے فارسی میں اشعار کہے۔ اس سے قبل کسی نے فارسی میں اشعار نہیں کہے! کیونکہ جب تک ایرانیوں (ساسانیوں) کی حکومت رہی، لوگوں نے خسروانی گیت گائے اور ان کے منظور نظر رہے۔ عربوں کی آمد کے بعد لوگوں نے عربی زبان اپنائی اور اس میں شعر و سخن کی مہارت حاصل کی۔ یعقوب سے پہلے کوئی شخص ایسا نہیں گزرا کہ جس کی شان میں لوگ اشعار کہیں سوائے حمزہ بن عبداللہ الخارجی کے جو خود فاضل تھا اور عربی سے واقف تھا۔ اس کی فوج میں بیشتر عرب تھے اور وہ عربی بولا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے مداحوں نے اس کی تعریف عربی زبان میں کی۔

صاحب تاریخ سیستان کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا قصیدہ بہت طویل تھا، اس نے یہاں چند اشعار نقل کیے ہیں۔

بسام آمد و رتبیل لتی خورد پلنگ
لترہ شد لشکر رتبیل و ہبا گشت کنام

بسام[1] خوار ہوا اور رتبیل[2] کی ٹانگ پر چوٹ آئی، اس کے سپاہی کٹ گئے اور ان کے مکانات زمیں بوس ہوگئے -

---

[1] بسام کرد ان خارجیوں میں سے تھا جنھوں نے یعقوب سے امان مانگی - یہ خود ایک فاضل اہل تھا اور جب اُس نے ابن وصیف کے طرز کو دیکھا تو اُس نے بھی فارسی میں شعر کہنا شروع کردیا - ذیل میں وہ اشعار دیئے گئے ہیں جن میں اُس نے عمار کی قسمت کی طرف اشارہ کیا ہے

ہر کہ نبود او بدل متہم　　　بر اثر دعوت تو کرد نعم

جس کے دل میں کھوٹ نہیں تھی، اس نے تیری دعوت پر لبیک کہا -

عمر ز عمار بدان شد بری　　　کاوی خلاف آورد تالاجرم

عمار کی عمر نے عمار سے وفا نہ کی، کیوں کہ اُس نے تجھ سے دشمنی مول لی -

دید بلا بر تن وجان خویش　　　گشت بعالم تن او در الم

اُس نے اپنے جسم و جاں کو مبتلا پایا - دنیا میں اس کے جسم نے آرام نہ پایا -

مکہ حرم کرد عرب را خدای　　　عہد ترا کرد حرم در عجم

خُدا نے عربوں کے لیے مکہ کو حرم بنایا لیکن اس نے تیرے عہد میں ایران کو حرم بنایا -

ہر کہ در آمد ہمہ باقی شدند　　　باز فنا شد کہ ندید این حرم

جو کوئی اس حرم میں آیا غیر فانی ہوگیا اور جس کسی نے اس حرم کو نہ دیکھا فنا ہوگیا -

کیا ہم اس چھوٹے سے قطعے میں ایرانیوں کی مبالغہ آمیزی نہیں پاتے ؟

[2] قدیم زمانے میں کابل اور سیستان کے فرماں روا کو عام طور سے رتبیل کا لقب دیا جاتا تھا - ملاحظہ ہو البلاذری صفحات ۳۹۷ تا ۴۰۲

لمن الملک تخواندی تو امیرا بالیقین
با قلیل الفئۃ کت داد وران لشکر کام[1]

تو نے پڑھا کہ "آج کس کی بادشاہت ہے ؟ اے امیر! یقیناً اُس نے تجھے باوجود قلیل لشکر کے فتح مند کیا۔

عمر عمار ترا خواست وزد گشت بری
تیغ تو کرد میانجی بمیان دد و دام[2]

عمار تیری جان کے درپے تھا لیکن وہی ہلاک ہوگیا۔ تیری تلوار نے جنگلی اور پالتو جانوروں میں فیصلہ کر دکھایا۔

عُمر او نزد تو آمد کہ تو چوُن نوحؑ بزی
در آکار تن او سر او بلسب طعام[3]

اُس کی عمر تجھ کو یہ کہتی ہوئی ملی کہ "تجھے عُمرِ نوحؑ کے مانند درازیٔ عمر ملے"۔ اس کا جسم آکار کے دروازے پر لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر طعام کے دروازے پر تھا۔

قدیم ایرانی شاعروں کے جستہ جستہ اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خاص خاص موقعوں پر وہ اشعار کہا کرتے تھے اور ان میں موقعہ اور محل کے مناسب باتیں ہوا کرتی تھیں۔ چونکہ وہ عربی میں شعر و شاعری خوب کر سکتے تھے لہٰذا خاص خاص موقع اور محل پر انھیں فارسی میں اشعار کہنا آسان معلوم ہوتا تھا۔ فارسی شاعری بنیادی طور پر قصیدہ گوئی سے شروع ہوئی۔

خاندانِ صفاریہ کے عروج سے بہت پہلے ایرانی موسیقی عربستان میں آچکی تھی اور اس نے عرب موسیقی کو بہت آگے بڑھایا تھا۔ ابن مسجح مکی پہلا شخص ہے جس نے ایرانی موسیقی کو عرب میں رواج دیا۔ اس نے گانے بجانے کا فن ایرانی معماروں سے سیکھا تھا، جنھیں عبداللہ بن الزبیر

---

[1] القرآن ۴۰، ۱۶
[2] ایضاً ۲ ص ۲۵۰
[3] آکار اور طعام سیستان شہر کے دروازوں کے نام ہیں۔

نے کعبہ شریف[۵۱] کی مرمت کے لیے کام پر لگایا تھا۔ سائب خاثر نے بھی ایرانی لڑکیوں سے بانسری بجانا سیکھا تھا جنھیں عبداللہ بن عامر بن کُریز مدینہ میں لے آیا تھا۔ سائب نے بعد میں ایک اور ایرانی بنام نشیط[۵۲] سے بھی سیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان ایرانیوں نے اپنی ہی زبان میں گانے گائے ہوں گے[۵۳] ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے سُنَیْد کو فارس سے بلوایا تھا تاکہ وہ فیصلہ کرے کہ ابراہیم الموصلی اور زُلزل دونوں میں سے کون اچھا گانے والا ہے[۵۴] سُنید بانسری بجانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔

مشہور شاعر ابوتمام (۱۹۰ھ تا ۲۳۱ھ) نے بھی ایک خاتون موسیقار کی آواز ابراشہر[۵۵] کی ضیافت کی تقریب میں سُنی اور دنگ ہوکر رہ گیا۔ گرچہ وہ جو کچھ گارہی تھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ ابوتمام نے ذیل کے اشعار[۵۶] میں اپنی ندامت کا اظہار کیا ہے ؎

و لم افهم معانيها ولكن ورت كبدي فلم اجهل شجاها

فبتّ كانّني اعمى معنّى بحبّ الغانيات وما يراها

(میں اُس گانے والی کا مطلب نہیں سمجھتا تھا، لیکن اس نے میرے دل میں آگ بھڑکا دی تھی۔ میں اس کے درد بھرے نغموں کو نہیں بھول سکتا۔ میری حالت اُس اندھے کی مانند تھی جو ماہ جبینوں کے عشق میں گرفتار ہوتے ہوئے بھی اُن کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا)۔

---

۵۱ الاغانی جلد ۲ صفحہ ۸۵۔ نویری: جلد ۴ صفحہ ۲۲۳

۵۲ ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۸۰۔ نویری: جلد ۴ صفحہ ۲۳۷

۵۳ فون کریمر CULTURGESCHICHTE جلد ۱ صفحہ ۲۷

۵۴ الجاحظ: کتاب التاج صفحہ ۴۰ و ۴۱

۵۵ نیشاپور شہر کا قدیم اسلامی نام (ملاحظہ ہو LE STRANGE. THE LANDS OF EASTERN CALIPTATE صفحہ ۳۸۴۔

۵۶ دیوان: صفحہ ۴۷۶ تصحیح BEYROUTH۔

ابن الرومی (۲۲۱ھ تا ۲۸۳ھ) بھی ایرانی موسیقی سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کہتا ہے[۱] ؎

فامزج غناء المحصنات لکاسها
بغناء عجم فی الجنان فصاح

(پاک دامن عورتوں کی آواز کے ساتھ جو باغات میں ساغر کی خواہاں ہیں ایرانیوں کی شیریں آواز کو ملا دو)

یہ موسیقی مرورِ ایام کے ساتھ زور پکڑتی گئی اور بالآخر رُودکی کی شاعری میں رونما ہوئی اس نے دو صدیوں کی خاموشی کو توڑا۔ ستار بجانے کی مہارت کے ساتھ ساتھ وہ شاعری کے فن سے بھی پوری طرح آگاہ تھا۔ اس کی شاعری میں تمام اصنافِ شعر جو آج تک مروج ہیں پائے جاتے ہیں۔ رودکی سے پہلے اور اس کے بعد کئی شعراء پیدا ہوئے لیکن ان کی شاعری کا بے بہا ذخیرہ زمانے کی دست برد سے نہ بچ سکا، چناں چہ ہم تک کیسے پہنچتا؟

سامانیوں کے کتب خانے میں ۹۹۸ء میں اچانک آگ لگی۔ اور بت شکن محمود نے ۴۲۰ھ میں بنی بُویہ کے کتب خانے کو تاراج کیا۔ ان کتب خانوں میں یہ ذخائر ضرور موجود ہوں گے۔ زاں بعد تاتاریوں کے ہلاکت خیز حملوں نے ان کو خاک میں ملا دیا ہوگا۔ کیونکہ ناصر خسرو (ولادت ۳۹۴ھ وفات ۴۸۱ھ؟) کے زمانے تک اور اس کے کئی سال بعد بھی قدیم ایرانی شعراء کے دواوین محفوظ کیے جاتے تھے اور ان کا بغور مطالعہ ہوا کرتا تھا۔ اپنے سفرنامے میں وہ رقمطراز ہے کہ تبریز میں (۲۰ صفر ۴۳۸ھ) اس کی ملاقات ایرانی شاعر قطران سے ہوئی اور دونوں نے دقیقی اور منجیک[۲] کے دواوین کا مطالعہ کیا۔

ہمارے تذکرہ نویسوں کو درحقیقت قدیم شعرا کے معلومات حاصل کرنے کے بہت ذرائع تھے مگر انھوں نے ہم کو وہی باتیں بتائی ہیں جو ان کے ذوق اور شوق کی تھیں۔ چنانچہ ہمارے پاس

۱؎ دیوان: تصحیح کامل گیلانی، قاہرہ صفحہ ۳۸۰

۲؎ سفرنامہ: کادیانی پریس صفحہ ۸ اور پروفیسر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ صفحہ ۲۲۲

سوائے ان جستہ جستہ باتوں کے کچھ بھی نہیں ہے۔ جو مجموعوں اور کتابوں میں مرقوم ہیں۔ مثال کے طور پر اسدی کی لغاتِ فرس میں یا شعوری کی مجمع لغاتِ فرس میں یا ان رسالوں میں جن کو شعوری نے اپنی ضخیم معجم "لسان العجم" میں شامل کر دیا ہے۔

دستاویزات کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ایرانی شعراء عربی شعر و سخن سے کس قدر متاثر ہوئے تھے۔ تاہم یہ بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ پوری دو صدیوں تک ایران پر عربوں کا تسلط رہا اور ایرانیوں کے سماجی، سیاسی اور مذہبی خیال پر اُن کا گہرا اثر پڑا۔ ایرانی شاعری کے جو کچھ اوراقِ پریشان ہم کو ملے ہیں اُن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ان اثرات کے نقوش بالکل اَنمٹ ہیں۔ اور اس کتاب کے آنے والے ابواب کا مقصد بھی یہ ہے کہ اُن کا سراغ لگایا جائے۔

الهام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

من امالی

الاستاذ عبید الله السندی

الجزء الثانی

قیمت :- دس روپے

ملنے کا پتہ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر-حیدرآباد